ضبط و تحریر: سمیع الحق

ارشادات: حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

دین اور شعائر دین کا احترام

دین کا تحفظ ادب کے بغیر ناممکن ہے

★

یہ حضرت حکیم الاسلام مدظلہ کی ایک نادر اور بیش قیمت تقریر ہے جس کا آغاز ابتداءً مجلسی گفتگو کی صورت میں ہوا تھا مگر طبیعت کے انشراح اور مضامین کی آمد کی وجہ سے آگے چل کر اس گفتگو نے ایک حکیمانہ تقریر کی شکل اختیار کر لی۔ تقریر اس لحاظ سے نہایت اہم ہے کہ اس میں دینی شعائر دین، علم، علماء اور اہل اللہ کی نسبتوں کی عظمت اور تقدس اور ان کے حدود اور فرق مراتب کو ہر حال میں ملحوظ رکھنے پر زور دیا گیا ہے۔ اس وقت علماء حق کی ایک جماعت میں جو بیان بازی اور طنز و تشنیع کا سلسلہ شروع ہے حضرت قاری صاحب مدظلہ کی یہ تقریر ایسے حضرات کیلئے ایک دعوت فکر ہے۔ (س ح)

دین کیلئے ادب ایک بنیادی چیز ہے جتنا جتنا ادب اور تادب بڑھتا جائے گا اسی حد تک دین انسان کا قوی ہوتا جائے گا۔ اور جس قدر بے ادبی یا گستاخی جرأت و جسارت اور بیباکی بڑھتی جائے گی، انسان دین سے ہٹتا جائے گا، خواہ علم ہو یا عمل ان میں شریعت نے آداب کی رعایت رکھی ہے، مثلاً قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

یا ایھا الذین آمنوا لا ترفعوا	اے ایمان والو نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں بیٹھ کر بلند
اصواتکم فوق صوت النبی	آواز سے گفتگو مت کرو اپنی آوازوں کو پست کرو
ولا تجھروا لہ بالقول کجھر	اور ایسی آواز نہ ہو کہ نبی ﷺ کی آواز سے بڑھ جائے
بعضکم لبعض ان تحبط	ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارے اعمال حبط ہو جائیں
اعمالکم وانتم لا تشعرون۔	گے۔ نہ اس پر اجر مرتب ہوگا اور نہ ثواب۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عمرؓ خلقی طور پر بلند اور جہوری الصوت تھے، آواز ہی اسطرح بلند تھی کہ آہستہ بولتے تو ایسے معلوم ہوتا کہ زور سے بول رہے ہیں لیکن آیت اترنے کے بعد اتنا آہستہ بولنے لگے کہ بعض دفعہ کان لگا کر سننا پڑتا اور فرمایا کہ مجھے یہ خوف ہے کہ کہیں میری آواز بلند ہو جائے اور میرے اعمال ضبط نہ ہو جائیں ——— اس سے مسئلہ نکل آیا کہ ادب سب سے بڑی چیز ہے۔ حقیقتاً تو ادب حق تعالیٰ شانہٗ کا ہے، عظمت والی ذات اللہ ہی کی ہے، اس واسطے اس کی بارگاہ میں ادب اور تواضع چاہیئے پھر جس جس کو اللہ سے نسبت ہوتی جائے گی، اس کا ادب قائم ہوتا جائے گا، مثلاً قرآن کریم کا ادب قائم کیا گیا کہ لایمسّہ الا المطہّرون۔ اگر حالت جنابت تک نجاست پہنچ گئی تو تلاوت بھی ناجائز ہو گئی، گویا زبان بھی پاک نہ رہی، تو یہ قرآن کا ادب سکھلایا گیا کہ اس کلام کی نسبت ہے اللہ کی طرف جس کا نام ہے کلام اللہ، اللہ کا ادب ضروری ہے تو اللہ کے کلام کا ادب بھی ضروری ٹھہرا، حالانکہ قرآن کریم جو ہمارے ہاتھوں میں ہے یہ کلام اللہ نہیں ہے یہ تو کاغذوں کا مجموعہ ہے، جو حروف و نقوش لکھے ہیں یہ تو علامات ہیں کلام کی، کلام وہ ہے جس کا تکلّم کیا جائے، پھر وہ حروف اور نقوش جن کاغذات میں درج ہیں انہیں بھی بے وضو ہاتھ لگانے سے منع کیا گیا، وہ کاغذات جس جلد میں سی لئے جائیں وہ بھی واجب التعظیم بن جاتی ہے، تو حقیقت میں یہ کلام کا ادب بتلایا گیا، لیکن جو جو چیزیں اس کی طرف منسوب ہوتی گئیں، ان کا ادب بھی واجب ہوتا چلا گیا، اور کلام کی وجہ سے نقوش اور نقوش کی وجہ سے کاغذ اور جلد درجہ بدرجہ سب کی تعظیم ضروری ٹھہرتی گئی۔ اگر ادنی درجہ بھی گستاخی بھی ان میں سے کسی چیز کی کی جائے تو اعمال کے ضبط و حبط ہونے کا اندیشہ ہے، اس لئے کہ بے ادبی کے ساتھ دین قائم رہ نہیں سکتا۔

بیت اللہ کا ادب | اسی طرح جب اللہ کا ادب واجب ہے تو بیت اللہ کا ادب بھی واجب ہو گیا۔ "اللہ کا گھر" یہ نسبت جب آگئی تو ادب لازم ٹھہرا، حالانکہ حق تعالیٰ چیز اور جسم و مکان سے بری ہے، لیکن نسبت جب آئی کہ تجلیات ربانی کا مرکز ہے تو اس گھر کا ادب ضروری ہو گیا۔

مسجد حرام کا ادب | جب بیت اللہ کا ادب واجب ہوا تو جس مسجد حرام میں بیت اللہ واقع ہے وہ مسجد بھی واجب التعظیم ہو گئی اور اس درجہ بابرکت بن گئی کہ اگر ایک نماز یہاں پڑھی جائے تو ایک لاکھ نماز کا ثواب ملتا ہے۔ یہ برکت اس نسبت کی

مکہ مکرمہ اور عرب کا ادب | مسجد حرام جس محل میں واقع ہے وہ ہے مکہ مکرمہ، تو مکہ مکرمہ بھی واجب التعظیم بن گیا اور اس کا ادب ضروری ہو گیا اور مکہ واقع ہے حجاز میں، تو حجاز اور سارے عرب کا

ادب واجب ہوگیا۔ حدیث میں فرمایا: حب العرب من الایمان وبغض العرب من النفاق، عرب سے محبت کرنا ایمان اور بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے ۔۔۔ تو درجہ بدرجہ سارے آداب واجب ہوتے چلے گئے، اگر بے ادبی اور گستاخی کسی ایک میں بھی آگئی تو دین کا باقی رہنا مشکل ہوگا۔

اکابر کا ادب اس لئے تادب اور توقیر و تعظیم لازم قرار دی گئی۔ حدیث میں فرمایا گیا:

من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ — جو شخص ہمارے چھوٹے پر رحم نہیں کھاتا اور ہمارے بڑوں کی توقیر نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہوگا۔

اکابر کی ادب و توقیر واجب قرار دی گئی اور دھمکی دی گئی کہ اگر اسے نہ انجام دو گے تو ہماری جماعت میں شمار نہیں ہوگا، اور یہ توقیر و ادب عمر کی بڑائی کی وجہ سے ہے اگر کوئی علم رکھتا ہے تو علم کی وجہ سے ادب ہوگا ۔۔۔ علم کے ساتھ زہد و قناعت کے جذبات اور اخلاق رکھتا ہے تو اس کا ادب واجب ہوگا، لیکن اگر کوئی بھی کمال نہ ہو صرف عمر کی بڑائی ہو تو اس وجہ سے بھی اس کا ادب ضروری ہوگا۔ حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جو شخص کسی بوڑھے کی تعظیم اس کے بوڑھا ہونے کی وجہ سے کرے تو وہ اس سے پہلے نہیں مرے گا کہ حق تعالیٰ اس کے لئے چھوٹے پیدا کردیں گے جو اسکی تعظیم کریں گے۔ حدیث میں ہے کہ جو سفید ڈاڑھی والا ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا ہے تو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے حیا آتی ہے کہ اسے خالی واپس کردوں تو یہ اسکی سفید ڈاڑھی کا وقار ہے عند اللہ ۔۔۔ جو محض عمر کی بڑائی کی وجہ سے اسے حاصل ہوگیا ہے، اگر اس بڑائی کے تحت اور بڑائیاں بھی جمع ہوجائیں علم، اخلاق، تو ادب بھی بڑھتا جائیگا۔ لیکن اگر کوئی ہنر نہ ہو تو خلقی کمال پر بھی ادب کی تلقین کی گئی ہے۔ مثلاً حدیث میں ارشاد ہے: یؤم القوم اقرءهم لکتاب اللہ۔ امامت کرنے کا حق اس کا ہے جو سب سے صحیح قرآن پڑھے سب سے زیادہ قرآن کا عالم ہو۔ فان کانوا فی القرأۃ سواء فاعلمہم بالسنۃ۔ جو سنت کا علم زیادہ رکھتا ہو اُسے بڑھایا جائے اگر سنت کے علم میں بھی سب برابر ہیں تو مسائل صلوٰۃ سے جو زیادہ واقف ہو اُسے آگے بڑھاؤ اگر اس میں بھی سب برابر ہوں، تو فرمایا کہ جو خوبصورت ہو اسے آگے بڑھاؤ اگر سارے کے سارے حسین و جمیل جمع ہوں تو فرمایا جس کا نسب اونچا ہو۔ تو کوئی خصوصیت تقدم کی چاہیئے کہ مقتدیوں کو عار لاحق نہ ہو۔ اگر بڑے بڑے اہل کمال جمع ہیں اور کسی جاہل کو امامت کے لئے بڑھایا انہیں عار لاحق ہوگا کہ کیسے بڑھا دیا، اگر سب حسین و جمیل ہوں، اور کسی اندھے بہرے کو بڑھا دیا تو انہیں حقارت پیدا ہوگی کہ یہ کہاں سے آگے بڑھ گیا۔

غیر اختیاری کمالات کا ادب تو جب اور کمالات میں سب برابر ہوں تو پھر خوبصورتی کو آگے رکھا

گیا، حالانکہ یہ کوئی اختیاری کمال نہیں، خدا کی بنائی ہوئی چیز ہے۔ لیکن غیر اختیاری چیز بھی بعض اوقات خصوصیت کا باعث بن جاتی ہے۔ تقدم و تقدیم کیلئے آداب کی ضرورت ہے، اور ان آداب میں بعض دفعہ تکوینی چیزیں بھی داخل ہو جاتی ہیں، باوجودیکہ عمر یا حسن تو اللہ کی دی ہوئی چیز ہے، مگر اس کے باوجود فرمایا کہ اسکا ادب کرو۔ تو حاصل یہ نکلا کہ ہر بڑھائی مستحق ہے تعظیم کی خواہ وہ تکوینی بڑھائی ہو یا تشریعی، اختیاری بڑائی ہو یا غیر اختیاری۔ اگر توقیر نہ کی گئی تو فرمایا کہ ان تحبط اعمالکم۔ ممکن ہے تمہارے اعمال اور دین پر اثر پڑ جائے ——

نسبتوں کی توقیر | یہاں تک کہ نسبتوں تک کا ادب سکھلایا گیا، یہ جو اللہ والوں کے ہاں نسبتوں کی توقیر کی جاتی ہے کہ شیخ کی عظمت کرتے ہیں، تو شیخ کی اولاد اور وطن کا بھی نسبت کی وجہ سے ادب کرتے ہیں۔ حدیث میں فرمایا: فاطمۃ بضعۃ منی من آذاھا فقد آذانی۔ فاطمہ میرا جگر گوشہ ہے جس نے اسے ستایا اس نے مجھے ستایا —— تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے فاطمہ کی توقیر کی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی توقیر کی، تو یہ توقیر شرف صحابیت کی وجہ سے نہیں سکھلائی گئی یہ تو اور صحابہؓ میں بھی ہے بلکہ نبی کریم کی اولاد ہونے کی جو نسبت ہے اسی کا ادب سکھلایا گیا، اس لئے فرمایا کہ فاطمہؓ میرا جگر گوشہ ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ میرے صحابہؓ میں داخل ہے، صحابیت کے ساتھ کچھ اور چیزیں بھی جمع ہو گئیں جو اولادِ رسول ہونا ہے کہ یہ جزو ہے رسول کا، تو جب رسول کا ادب ہوگا قلب میں تو اولادِ رسول کا بھی ہوگا ——

میں نے اپنے بزرگوں سے سنا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کے متعلق کہ ان کی عادات میں ادب کا لحاظ بے حد ہوتا، تہذیب کے اندر ہر بڑائی کا تو میں نے سنا کہ سادات کا کوئی نابالغ بچہ بھی آجاتا تو سرہانا چھوڑ کر پائنتی کی طرف بیٹھ جاتے اور فرماتے کہ دنیا مخدوم زادوں کی عزت کرتی ہے۔ یہ تو سارے عالم کے مخدوم زادے ہیں، سارے عالم پر ان کی تعظیم واجب ہے، حالانکہ بچہ نابالغ ہے مگر فرماتے یہ مخدوم زادہ ہے، کہ اولادِ رسولؐ ہے۔

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا واقعہ | ایک دفعہ حضرت نانوتویؒ مراد آباد تشریف لے گئے اور جانا آگے تھا، مراد آباد ہی ٹھہرے اور پروگرام میں حضرت نے صرف ایک دن رکھا تھا، آگے جانا تھا، لوگوں نے اصرار کیا مگر انکار فرمایا، تو علماء کا طبقہ جمع ہو کر آگیا کہ ٹھہر جائیں، انکار کر دیا کہ نہیں ٹھہروں گا پھر بعض امراء جمع ہو کر آگئے تو امراء سے کہا کہ جب علماء کی نہ سنی تو آپ کی کیسے مانوں، تو مراد آباد کے لوگوں کے دل میں ٹھن گئی کہ کسی نہ کسی طرح ٹھہراؤ، تو ایک نے مشورہ دیا کہ ایک ہی صورت ہے ان کے

ٹھہرانے کی، فلاں دفتر میں ایک کلرک ہے ایک لڑکا چودہ پندرہ سال کا، اسے بلا لاؤ، وہ ٹھہرا سکے گا جب وہ آیا تو حضرت نے ادب سے اپنی مسند چھوڑ دی، کھڑے ہو گئے اور بہت جھک کر مصافحہ کیا اور اپنی جگہ پر اسے بٹھا دیا، خود مؤدب ہو کر سامنے بیٹھ گئے اس نے کہا کہ حضرت جی چاہتا ہے کہ کچھ ٹھہر جائیں۔ فرمایا بہت اچھا۔ ٹھہر گئے اور اتنے ٹھہرے کہ ایک ہفتہ تک ٹھہر گئے، لوگوں نے سوچا کہ حضرت اس وقت تک نہیں جائیں گے جب تک وہ لڑکا نہ کہے گا، تب آکر اس نے اجازت دی وہ بات کیا تھی۔؟ بات یہ تھی کہ حضرت کے شیخ تھے حاجی امداد اللہ اور حاجی امداد اللہ کے شیخ تھے میاں جی نور محمد جھنجھانوی اور یہ لڑکا میاں جی مرحوم کا نواسہ لگتا تھا۔ تو شیخ کی نسبت میں اتنا ادب تھا کہ ان کے حکم کی وجہ سے وہیں رک گئے، کسی کا حکم نہ مانا، یہ نسبت کا ادب تھا، شیخ کے بھی نہیں شیخ الشیخ کے نواسے تھے، اور یہ ادب تب ہوتا ہے کہ جب اصل شیخ کا ادب دل میں ہو حتی کہ وطن کی نسبت کی وجہ سے شیخ کے وطن کے ساتھ شریف لگاتے ہیں، دیوبند شریف، نانوتہ شریف، مکہ شریف۔ تو وہ شریف کا لفظ تعظیم کی وجہ سے لگاتے تھے۔ تو نسبت کا ادب اور عظمت یہ کوئی غیر شرعی چیز نہیں ہے۔

شاہ ابوسعیدؒ کا واقعہ اہل اللہ نے نسبتوں کی اس درجہ ادب کی ہے کہ شیخ کی اولاد اگر جاہل اور کندہ ناتراش بھی ہوتی تو پھر بھی حد درجہ ادب کیا۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس اللہ سرہ جو مشائخ چشتیہ میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں، ان کے پوتے ہیں شاہ ابوسعید صاحب سلسلہ چشتیہ کے مشائخ میں سے ہیں۔ تو ابتدائی زمانہ شاہ ابوسعید کا بہت ہی آزادی کا تھا نہ نماز نہ روزہ نہ پابندی، لباس کے شوقین ہر وقت مکلف کپڑے۔ بس اسی میں لگے رہتے، نہ علم سیکھنے کیطرف توجہ تھی، نہ اعمال کی اصلاح کی طرف، جوانی کا زمانہ رنگ رلیوں میں پڑے رہتے۔ وہ ایک دن گنگوہ میں جا رہے تھے کسی گلی میں کہ بھنگن نے ٹوکرہ کباڑ کا کہیں پھینکا اور سارا گرد وہ ان کے کپڑوں کو لگ گیا، تو غضبناک ہو گئے اور کہا کہ حرام زادی بے حیا تجھے شرم نہیں آتی، یہ بھنگن بھی بوڑھی اور اس نے زمانہ پایا تھا حضرت شیخ عبدالقدوس کا تو اس نے تان کر کہا کس برتے پر اکڑتا ہے، دادا کی میراث کمائی تھی جو آج اتنے فخر سے بولتا ہے، بس وہ دن تھا، اسی وقت واپس ہوئے اور گھر میں آکر والدہ سے کہا کہ اب میں گنگوہ اس وقت تک نہیں آؤں گا جب تک کہ دادا کی میراث نہ سنبھال لوں اور پوچھا کہ اس وقت حضرت شیخ کے خلفاء میں سے کون کون سے لوگ ہیں معلوم ہوا کہ اجلہ خلفاء میں سے شیخ نظام الدین بلخی ہیں، انہوں نے خلافت لیکر بلخ کا سفر کیا تو بتلایا گیا کہ بلخ میں بڑی خانقاہ ہے لاکھوں

کی اصلاح اور افادہ ہو رہا ہے، تو اطلاع دی شیخ نظام الدین کو کہ میں آرہا ہوں شیخ کو صاحبزادے کے پہنچنے کی اطلاع ہوئی تو جو پہنچنے کا دن تھا، اور اس زمانہ میں موٹر کاریں تو نہ تھیں، مہینہ دو مہینہ قطع مسافت کے بعد کہیں جا کر پہنچے، شیخ کو اطلاع ہوئی تو اگرچہ صاحبزادہ جاہل ہیں، نہ علم، نہ ہنر اور شیخ وقت کے ہزاروں متوسل ہزاروں مرید اور ہزاروں کو فائدہ علم اور دین کا پہنچ رہا ہے مگر اسی نسبت کے ادب کی وجہ سے کئی میل آگے جا کر استقبال کیا، اور جب شیخ نکلے تو تمام بلخ، امراء بلخ حتیٰ کہ شاہ بلخ بھی ساتھ نکلے، دور سے دیکھا کہ صاحبزادے گھوڑے پر آرہے ہیں۔ تو حضرت نظام الدینؒ آگے بڑھے اور قدموں پر ہاتھ رکھا صاحبزادہ گھوڑے سے اترنے لگے تو فرمایا نہیں آپ نہ اتریں اوپر رہیں، ایک شان سے صاحبزادہ چلے آرہے ہیں کہ گھوڑے پر سوار ہیں اور قدموں پر ہاتھ رکھا ہے شیخ نے، اور جب شیخ نے ہاتھ رکھا تو دوسری رکاب پر خود شاہ بلخ نے ہاتھ رکھا، اس شان سے بلخ آئے، مہمانداری بڑی اعلیٰ پیمانے پر ہوئی، تمام علماء و مشائخ اور امراء کو دعوتیں دیں صاحبزادہ کے احترام میں، جب تین دن گذر گئے اور شیخ کا یہ عالم یہ دو زانو بیٹھے ہیں، صاحبزادہ کو مسند پر بٹھا رکھا ہے، پھر پوچھا صاحبزادے اتنا لمبا چوڑا سفر کیسے کیا، کہاں ہندوستان اور کہاں بلخ، کیا ضرورت پیش آئی، صاحبزادہ نے کہا کہ دادا کی میراث لینے آیا ہوں جو آپ لیکر آئے ہیں۔ اور یہ ہے وہ نسبت اور تعلق مع اللہ کی میراث، فرمایا اچھا یہ غرض ہے، کہا جی ہاں، تو فرمایا کہ وہاں جوتیوں میں بیٹھ جاؤ اور خود جا کر مسند پر بیٹھ گئے، اب نہ وہ ادب ہے نہ وہ تعظیم اور بیعت کر کے تزکیۂ نفس کیلئے کچھ اعمال بتلائے، خدمت یہ سپرد کی کہ مسجد میں بیٹھ کر استنجا کے لئے ڈھیلے تڑوائیں، تاکہ نمازی آئیں تو تکلیف نہ ہو، سال بھر اسی حالت میں گذر گیا کہ کوئی پرسانِ حال نہیں یا تو شاہ بلخ رکاب تھامے آئے تھے یا آج صاحبزادے کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

جب ایک برس گذر گیا تو شیخ نے امتحان لینا چاہا کہ کس حد تک نفس کی اصلاح ہوئی، کبر و غرور رفع ہوا یا نہیں۔ تواضع للہیت پیدا ہوئی یا نہیں۔ نفسانیت ختم ہو گئی یا نہیں۔ تو بھنگن کو حکم دیا کہ کوڑا کباڑ کا ٹوکرہ لا کر صاحبزادے کے قریب ڈال دے تاکہ تھوڑا سا گرد صاحبزادہ کے اوپر پڑ جائے اور جو کہے وہ ہم سے آکر کہہ دے، بھنگن نے جا کر جو ٹوکرا زور سے ڈال دیا تو سارا گرد صاحبزادے پر پڑا تو اس نے آنکھیں لال پیلی کر کے کہا کہ "بے حیا نہ ہوا گنگوہ کہ تجھے بتلاتا" اس نے آکر شیخ سے عرض کیا کہ ابھی وراثت نہیں ملی، ابھی نفسانیت کافی موجود ہے۔ اگلے دن پھر حکم ہوا کہ استنجے کے ڈھیلے توڑنا تو خیر ہے ہی، مگر نمازی نماز پڑھ کر نکلے تو جوتے سامنے رکھو، اسکی حفاظت بھی کرتے رہو، اب اس خدمت پر

لگ گئے جب ایک برس گذر گیا، تو بھنگن کو پھر حکم دیا کہ قریب میں نہیں بلکہ جاکر صاحبزادہ کے اوپر سارا کوڑا کرکٹ ڈال دو، اس نے جاکر سارا ٹوکرہ ڈال دیا تو صاحبزادہ نے کہا: ارے بی کیوں اس کباڑ کو تو نے مجھ پر ڈال دیا یہ تو مجھ سے بھی زیادہ افضل ہے تو نے اس کباڑ کو بھی عیب لگایا، میں تو ایسی ناپاک ہستی ہوں کہ یہ کباڑ بھی میرے اوپر گرنے سے ناپاک ہو گیا، میرے اندر تو کوئی خوبی نہیں۔

بھنگن نے جاکر شیخ سے یہ سب کچھ عرض کیا، تو فرمایا کہ اب مل چکی ہے وراثت دادا کی، اس کے بعد اگلے دن شیخ نے حکم دیا کہ ہم شکار کیلئے جائیں گے ہمارے ساتھ چلو، شیخ سوار ہوئے گھوڑے پر اور حکم دیا کہ تم رکاب تھام کے چلو اور جب وہ آئے تھے تو شیخ نے رکاب تھامی تھی، اور اب یہ حالت ہے کہ گرتے پڑتے شیخ کے ساتھ دوڑتے جا رہے ہیں، لہولہان ہو گئے، پیروں میں زخم آیا، خون نکل آیا مگر کیا مجال کہ یہ الگ ہو جائے رکاب سے، یہ ہو سکتا ہے کہ شیخ حکم دے اور اطاعت نہ کی جائے، اسی شان سے سارا دن بسر ہوا، شام کو واپس پہنچے تو صاحبزادہ کو حکم دیا کہ غسل کرو، صاحبزادہ نے غسل کیا کپڑے وغیرہ بدلوائے، اس کے بعد مجمع کیا اور بھرے مجمع میں صاحبزادہ کو کھڑا کر کے جوتا ہاتھ میں دیا اور کہا کہ یہ غلام حاضر ہے، سر حاضر ہے، یہ جوتا ہے، میں اس طرح خانہ زاد غلام ہوں، دادا کی میراث مل نہیں سکتی تھی، اگر یہ محنت اور یہ ریاضت نہ ہوتی، نفس کا کبر رفع نہ ہوتا، اب تمہیں دادا کی میراث مبارک ہو، خلافت دی اور پگڑی باندھی سر کے اوپر، تو وہ گویا بے ادبی نہیں تھی بلکہ مجاہدہ تھا کہ اس کے بغیر نفس کی اصلاح نہیں ہو سکتی تھی۔ تو ریاضات اور مجاہدے اس لئے تو ہوتے ہیں کہ ادب کا مضمون قلب میں پیدا ہو جائے۔ تو اللہ اور اس کے نیک بندوں کا بھی ادب کرو، ہر بڑی چیز کا ادب کرو جس میں کوئی بھی بڑائی اور خوبی ہو۔ فرمایا: من لم یرحم صغیرنا ولم یوقر کبیرنا فلیس منا۔ جو ہمارے بڑوں کی توقیر نہ کرے۔

اہل اللہ کا ادب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کا میں نے واقعہ سنا اپنے بزرگوں سے کہ کلیر شریف جب کبھی حاضر ہوتے تو وہ تو خیر عرس وغیرہ سے یہ حضرات بچتے تھے کہ بدعات ہیں، لیکن بہرحال اللہ کی قبروں پر جاتے تھے، استفادہ بھی کرتے تھے، کلیر شریف حاضر ہوتے تو کلیر شریف رڑکی سے پانچ چھ میل کے فاصلے پر ہے، نہر کے کنارے کنارے راستہ جاتا ہے تو چلتے وقت جوتے نکال دیتے تھے، ننگے پیر، چھ میل کا راستہ طے کرتے یہ محض ادب اور ادب کا غلبۂ حال تھا، آپ اگر پوچھیں کہ کیا شرعاً ایسا ضروری تھا؟ تو شرعاً تو ضروری نہیں ہے، کسی جگہ یہ حکم نہیں کہ جاؤ تو

ننگے پیر جایا کرو، لیکن جب ادب، غلبۂ حال کے درجہ میں آتا ہے، تو وہ وہ محتملات سامنے آتے ہیں ادب و تادب کے کہ ظواہر شریعت میں نشان بھی نہیں ہوتا، مگر قلب شہادت دیتا ہے کہ یہ بھی ادب ہے اور اس پر عمل ضروری ہے تو وہ قانونی عمل نہیں ہوتا وہ اخلاقی عمل ہوتا ہے، قانون کی رو سے اُسے واجب یا مستحب نہیں کہا جا سکتا، لیکن قلب اور محبت کے قانون کے لحاظ سے وہ واجب ہوتا ہے۔

غلاف خانہ کعبہ کے رنگ کا احترام | حضرت حاجی امداد اللہؒ جب ہجرت فرما کر مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عمر بھر سیاہ جوتا نہیں پہنا۔ سرخ یا زرد رنگ کا پہنا کرتے، فرمایا کہ سیاہ رنگ کا ممنوع نہیں مگر بیت اللہ کا غلاف سیاہ ہے تو پاؤں میں اس رنگ کا جوتا کیسے پہنوں ---؟ اس ادب کی وجہ سے سیاہ رنگ کا جوتا پہننا چھوڑ دیا، پگڑی تو باندھتے سیاہ رنگ کی کہ یہ تو ادب کا مقام ہے، مگر قدموں میں نہیں۔

ادب میں محتملات کا بھی لحاظ ہوتا ہے | اب اگر آپ یوں کہیں کہ صاحب کسی روایت کسی حدیث میں تو نہیں آیا۔ حدیث میں تو ادب کا حکم آیا ہے، لیکن ادب جب رچ کر غلبۂ حال کے درجہ میں آجاتا ہے تو بعید سے بعید چیز بھی ادب کے درجہ میں آتی ہو، انسان اس کا لحاظ رکھتا ہے اور عمل کرتا ہے جیسے فقہاء نے لکھا ہے کہ بعض چیزیں بڑی محتملات ہوتی ہیں، لیکن آداب شرعیہ کے لحاظ سے وہ ضروری قرار پا جاتی ہے ---

الغرض اس طرح سے یہ آداب سکھائے گئے کہ اس کے بغیر دین کا تحفظ نہیں ہو سکتا۔ اگر ذرا سی بھی دل میں ان چیزوں کے لئے تمسخر و استہزاء کا مادہ موجود ہے تو دین اس کا صحیح و سالم نہیں ہو سکتا اس واسطے ضروری ہے کہ قلب کے اندر سنجیدگی اور وقار ہو اور احترام ہو--- آیات اور روایات کا اور ان شخصیتوں کا جن سے آیات و روایات اور دین کا تعلق ہے جن کا ادب و احترام ضروری ہے اور جس کے بغیر دین محفوظ نہیں رہ سکتا۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا غایت درجہ ادب | حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حرم مکہ میں سیلاب آیا اور حرم شریف میں پانی بھر گیا، تو مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کی تھی بیت اللہ کی، وہ اب بھی محفوظ ہے اور اس پر نشان بھی ہے: ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا، اس کے لئے ایک چھوٹی سی عمارت بنی ہے اس کے اندر وہ مقام محفوظ ہے* - حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: واتخذوا من مقام ابراھیم مصلّٰی۔ جب طواف کر کے

---

* گذشتہ دو سال سے یہ نقشہ بدل گیا ہے۔ (سمیع الحق)

دوگانہ طواف کرتے ہیں تو مقام ابراہیم کو بیچ میں لینا مسنون ہے، الغرض سیلاب جو آیا تو مقام ابراہیم پر بنی ہوئی عمارت کا برج گر پڑا اور وہ آ گیا مقام ابراہیم کے اوپر تو اس کا ایک کنارہ ٹوٹ گیا، اور وہ کنارہ اسی وقت شریف مکہ کے خزانے میں پہنچا دیا گیا وہ چیز مقدس تھی، تو شریف مکہ علماء و مشائخ کو وقتاً فوقتاً اس پتھر کی زیارت کراتے تھے۔ تو خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ اس کے دو تین ٹکڑے ہو گئے اس میں سے ایک چھوٹا ٹکڑا شریف مکہ نے ہدیہ کے طور پر بعض مشائخ کو دیا اور وہ کسی نہ کسی طرح منتقل ہو کر حضرت مولانا گنگوہی کے پاس پہنچ گیا، تو مولانا کی عادت یہ تھی کہ اس مقام ابراہیمؑ کے ٹکڑے کو نکال پانی میں ڈالتے اور وہ پانی تقسیم کیا جاتا تمام اہل مجلس میں، اس ٹکڑے میں سے کچھ ریزے گر گئے تو حضرت نے فوراً ریزوں کو جمع کر کے آنکھوں کے سرمہ میں شامل کر لیا، جب آنکھوں میں سرمہ لگاتے تو وہ حل کیا ہوا پتھر بھی آنکھوں میں جاتا، تو یہ ادب کی بات تھی طبی اصول پر دیکھا جائے تو آنکھوں کے اندر مٹی یا پتھر کا ریزہ ڈالنا بینائی کے لئے نقصان دہ ہے، مگر اس چیز کی پرواہ نہ تھی بزرگوں کو، بینائی کیا چیز ہے اس شرف کے مقابلہ میں جو مقام ابراہیم کے مجاورۃ اور قرب سے نصیب ہوتا ہے، تو بہر حال دین کی بنیاد ادب و توقیر اور تعظیم کے اوپر ہے، اللہ اور شعائر اللہ کی تعظیم، بیت اللہ، کتاب اللہ کی تعظیم، اہل اللہ کی تعظیم، غرض جو بھی اللہ کی طرف منسوب ہو جائیں انکی عظمت و توقیر کرنا یہ دین کی بنیاد ہے۔

اختلاف رائے کے حدود | مشائخ لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی شیخ سے بیعت ہو اور فرض کیجئے کہ اسکی سنت کے خلاف کوئی بات دیکھی اور ارادہ کیا کہ کسی متبع سنت شیخ سے بیعت ہو جائے تو مشائخ بالاجماع لکھتے ہیں کہ بیعت ترک کر دینی چاہیئے اس شیخ سے جس سے سنت کے خلاف اعمال ظاہر ہوتے ہیں، لیکن بے ادبی کا کلمہ کبھی نہیں کہنا چاہیئے، گستاخی کا کلمہ کبھی نہ کہے اس کے حق میں جائز نہیں کہ اسکی بے ادبی کرتا پھرے، ورنہ معنویت اور روحانیت کو نقصان پہنچے گا۔ یہ وہی ہے بنیاد احترام کی تو کسی عالم سے فرض کیجئے کہ آپ کسی مسئلہ میں مختلف ہو جائیں، یا دوسرا عالم آپ سے مختلف ہو جائے تو مسئلہ میں اختلاف کرنا تو جائز ہے جب اپنے کو دیانۃً علی التحقیق سمجھے لیکن بے ادبی اور تمسخر کرنا کسی حالت میں جائز نہیں ہے، کیونکہ بے ادبی اور تمسخر کرنا دین کا نقصان ہے اور اختلاف کرنا حجت سے یہ عین دین ہے تو دین جائز ہے خلاف دین جائز نہیں۔ اختلاف رائے کا حق حاصل ہے حتیٰ کہ اگر ذاتی رائے اور مشورہ ہو تو انبیاء علیہم السلام سے آدمی رائے میں بھی مختلف ہو سکتا ہے۔ احکام اور اوامر کا جہاں تک تعلق ہے اختلاف اور رائے زنی جائز نہیں، حق تعالیٰ کا ارشاد ہے ؛ وماکان لمؤمن ولامؤمنۃ اذا قضی اللہ

ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔ (کسی مومن اور مومنہ کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب حکم آجائے اللہ اور رسول کا تو پھر اس کے ماننے سے چوں وچرا کی جائے۔)

تو جہاں تک احکام دین کا تعلق ہے، رسول تبلیغ فرما دیں تو تامل بھی جائز نہیں چہ جائے کہ قبول نہ کرے لیکن اگر رسول یہ فرمائے کہ میری ذاتی رائے یہ ہے تو اگر آدمی نہ مانے تو اس پر کوئی الزام وملامت نہیں، حدیث میں واقعہ بیان ہوا ہے حضرت بریرہؓ کا یہ باندی تھیں حضرت عائشہؓ کی، ان کا نکاح کر دیا گیا حضرت مغیثؓ سے یہ بھی صحابی ہیں تو بریرہؓ خوبصورت تھیں اور مغیث بدصورت، حضرت مغیث تو سو جان سے عاشق تھے بریرہؓ کے اور بریرہؓ کو نفرت تھی، اس دوران میں یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت عائشہؓ نے بریرہ کو آزاد کر دیا اور مسئلہ شرعی یہ ہے کہ باندی اور منکوحہ اگر آزاد ہو جائے تو نکاح کا باقی رکھنا نہ رکھنا اس کے اختیار میں ہو جاتا ہے۔ اگر وہ چاہے کہ فلاں شخص غلام ہے تو جائز ہے کہ نکاح فسخ کر دے اب حضرت مغیث پریشان، وہ تو سو جان سے عاشق اور بریرہ کی طبیعت کو مناسبت نہیں اور بات آگئی حضرت بریرہ کے ہاتھ۔ تو لکھا ہے کہ حضرت مغیث مدینہ کی گلیوں میں پھر رہے ہیں، رو رہے ہیں، آنسو ڈاڑھی پر گر رہے ہیں اور ہر ایک کے پاس جاتے ہیں کہ تم سفارش کرو کہ نکاح کو بریرہ فسخ نہ کرے۔ آخر میں پہنچے نبی کریمؐ کی خدمت میں اور کہا کہ یا رسول اللہ آپ فرمائیں بریرہ کو وہ نکاح نہ توڑے۔ حضورؐ تشریف لائے اور بریرہ سے فرمایا کہ اسے بریرہؓ نکاح کو فسخ مت کرو مغیث کا برا حال ہے اسے محبت اور تعلق ہے، مگر بریرہ بھی بہت دانشمند فرمایا۔ یا رسول اللہ یہ حکم شرعی ہے یا حضورؐ کی ذاتی رائے ہے۔ فرمایا نہیں مشورہ ہے حکم شرعی نہیں، فرمایا میں تو نہیں مانتی۔ تو فرمایا تجھے ماننے نہ ماننے کا حق ہے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کی ذاتی رائے سے بھی اختلاف کا حق ہے، یعنی کوئی ملامت اس میں نہیں، نہ انبیا کا نہ شریعت کا۔ یہ الگ چیز ہے کہ ادب کی وجہ سے ہم حضورؐ کے منشاء کو بھی سو حکموں سے زیادہ سمجھیں گے۔ بریرہ نے پہلے پوچھ لیا کہ یا رسول اللہ یہ حکم خداوندی ہے یا حضورؐ کی ذاتی رائے۔ جب معلوم ہوا تو فرمایا کہ میں تو نہیں مانتی۔ تو ذرا بھر حضورؐ کے اوپر گرانی نہیں ہوئی، لیکن رائے کے نہ ماننے کی وجہ سے کیا یہ جائز تھا کہ بریرہ معاذ اللہ ادنیٰ درجہ کی بے ادبی کرے شانِ رسالت میں اگر ذرا بھی بے ادبی ہوتی تو دین ختم ہو جاتا۔ ادب اور عظمت کو اسطرح برقرار رکھا، لیکن شریعت نے جو حق دیا اسکو استعمال کیا کہ میں تو نہیں مانتی یا رسول اللہ یہ تو میرا خانگی معاملہ ہے اور اگر حکم شرعی ہے تو سر جھکا ہوا ہے اس سے اندازہ ہوا کہ اختلاف رائے اگر اہل اللہ اور علماء میں ہو جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن بے ادبی یا تذلیل کسی حالت میں جائز نہ ہوگی۔ اس لئے کہ وہ بہرحال عالم دین ہے جس سے آپ اختلاف کر سکتے ہیں مگر اس کا مقام ومنصب بطور نائب رسول کے ہے اسکی عظمت واجب ہوگی۔

ہم امام ابوحنیفہؒ کی فقہ پر عمل کرتے ہیں، امام شافعیؒ پچاسوں مسئلوں میں ان سے اختلاف کرتے ہیں مگر ادنیٰ درجہ کی بے ادبی قلب میں امام شافعیؒ کی نہیں آتی، اور جیساکہ امام ابوحنیفہ واجب التعظیم ہیں ویسے ہی امام شافعیؒ دونوں آفتاب و ماہتاب ہیں، دونوں سے نور اور برکت حاصل ہو رہی ہے، کسی طرح جائز نہیں کہ ادنیٰ درجہ کی گستاخی دل میں آجائے۔

گستاخی جہالت کی علامت ہے | گستاخی و استہزاء کرنا جہالت کی بھی علامت ہے، موسیٰ علیہ السلام نے جب نصیحت کی قوم کو اور فرمایا کہ فلاں مقتول زندہ ہو جائے گا۔ اگر بکرا کو ذبح کر کے اس کا گوشت میت سے ملا دیا جائے تو بنی اسرائیل کہتے ہیں کہ اتتخذنا ھزوا۔ آپ کیا مذاق کرتے ہیں، اس بات میں کیا تعلق ہے کہ گوشت کو مردہ سے ملا دیا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا قال اعوذ باللہ ان اکون من الجاھلین۔ میں اللہ سے پناہ مانگتا ہوں کہ جاہلوں میں شامل ہو جاؤں یعنی دل لگی، تمسخر جاہلوں کا کام ہے، عالموں کو مناسب نہیں کہ تمسخر کرے۔ اس لئے کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ تو ایک ہے رائے کا اختلاف، ایک ہے کسی عالم کے مسلک کا اختلاف اور ایک ہے بے ادبی، تو بے ادبی کسی حالت میں جائز نہیں۔

مولانا تھانویؒ | میں نے مولانا تھانوی کو دیکھا مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم سے بہت سی چیزوں میں اختلاف ہے۔ قیام، عرس، میلاد وغیرہ مسائل میں اختلاف رہا۔ مگر جب مجلس میں ذکر آیا تو فرماتے: مولانا احمد رضا خان صاحب مرحوم ——— ایک دفعہ مجلس میں بیٹھنے والے ایک شخص نے کہیں بغیر مولانا کے احمد رضا کہہ دیا۔ تو حضرت نے ڈانٹا اور خفا ہو کر فرمایا کہ: عالم تو ہے اگرچہ اختلاف رائے ہے تم منصب کی بے احترامی کرتے ہو، کس طرح جائز ہے۔؟ تو رائے کا اختلاف اور چیز ہے اور اس عالم کی عزت کرنا اور چیز ہے، تو بہر حال وہ نسبت سے اختلاف کرنا الگ چیز ہے، یہ الگ بات ہے کہ ہم ان کو خطا سمجھتے ہیں اور صحیح نہیں سمجھتے مگر ان کی توہین اور بے ادبی کرنے کا کیا مطلب۔" تو مولانا تھانوی نے مولانا نہ کہنے پر برا منایا حالانکہ مولانا تھانویؒ کے مقابل جو مولانا تھے وہ انتہائی گستاخی کیا کرتے تھے۔ مگر مولانا اہل علم میں سے تھے وہ تو نام بھی کسی کا آیا تو ادب ضروری سمجھتے چاہے بالکل معاند ہی کیوں نہ ہو مگر ادب کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹتا۔

کفر کا فتویٰ لگانے والے کیساتھ مولانا محمد قاسمؒ کا سلوک | میں نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کا واقعہ سنا کہ دہلی کا قیام تھا، حضرت کے خدام میں سے چند مخصوص تلامذہ ساتھ تھے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ، دوسرے شاگرد مولانا احمد حسن امروہی

حاجی امیر شاہ خان صاحب مرحوم، یہ بھی وہاں موجود تھے، تو مولانا احمد حسن صاحب نے اپنے ہمجولیوں میں بیٹھ کر فرمایا کہ "بھئی لال کنوئیں کی مسجد کے جو امام ہیں ان کی قرأت بہت اچھی ہے۔ کل صبح کی نماز ان کے پیچھے پڑھ لیں، تو شیخ الہند نے غصے میں آ کر فرمایا کہ تمہیں شرم نہیں آتی بے غیرت، وہ تو ہمارے حضرت کی تکفیر کرتا ہے، ہم اس کے پیچھے نماز پڑھیں گے، اور بڑا سخت لہجہ اختیار کیا۔ یہ جملے حضرۃ نانوتوی کے کان میں پہنچے تو اگلے دن حضرت نانوتوی ان سب شاگردوں کو لیکر اسی مسجد میں پہنچے صبح کی نماز پڑھنے کی خاطر، اس امام کے پیچھے جا کر نماز پڑھی، سلام پھیرا تو چونکہ یہ اجنبی تھے، نمازیوں نے دیکھا کہ ہیں تو علماء صورت، تو پوچھا کون ہیں۔؟ کون ہیں۔؟ معلوم ہوا کہ یہ تو مولانا محمد قاسم ہیں اور وہ ان کے شاگرد شیخ الہند مولانا محمود الحسن اور یہ مولانا احمد حسن محدث امروہی، ان کے تلمیذ ہیں۔ امام کو سخت حیرت ہوئی کہ میں تو رات دن انہیں کافر کہتا ہوں اور یہ نماز کیلئے میرے پیچھے آ گئے تو امام نے خود بڑھ کر مصافحہ کیا اور کہا کہ حضرت میں آپ کی تکفیر کرتا تھا اور میں آج شرمندہ ہوں آپ نے میرے پیچھے نماز پڑھی حالانکہ میں آپ کو کافر کہتا رہا، حضرت نے فرمایا کوئی بات نہیں میرے دل میں آپ کے اس جذبہ کی قدر ہے اور زیادہ عزت دل میں بڑھ گئی ہے ـــــ کیوں۔؟ اس واسطے کہ آپ کو جو روایت پہنچی کہ میں توہین رسول کرتا ہوں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ تو آپ کی غیرت ایمانی کا یہی تقاضا تھا۔ ہاں البتہ شکایت اسکی ہے کہ روایت کی تحقیق کرنی چاہیئے تھی، مگر بہرحال تکفیر کی بنیاد ہے توہین رسول اور توہین رسول جو مسلمان کرے گا تکفیر واجب ہوگی، دائرہ اسلام سے خارج ہوگا تو فرمایا کہ میرے دل میں قدر ہے آپ کی غیرت ایمانی کی۔ ہاں شکایت اس لئے ہے کہ ایک تحقیق کر لیتے کہ خبر صحیح ہے یا غلط، تو میں یہ عرض کرنے آیا ہوں کہ یہ خبر غلط ہے اور میں خود اس شخص کو دائرہ اسلام سے خارج سمجھتا ہوں جو ادنیٰ درجہ میں بھی نبی کی توہین کرے، اور اگر آپ کو یقین نہ آئے تو آپ کے ہاتھ پر ابھی اسلام قبول کرتا ہوں اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ الخ۔ اب وہ امام بیچارہ قدموں میں گر پڑا بچھا جاتا ہے ـــــ تو بات صرف یہ تھی کہ ان حضرات کے دلوں میں تواضع باللہ اور ادب۔ مع اللہ اس درجہ رچا ہوا تھا کہ نفسانیت کا شائبہ نہ رہا تھا۔ استہزا اور تمسخر کو بجائے خود ہے بے قدری بھی، اپنے معاندوں کی نہیں کرتے تھے بلکہ صحیح محل پر اتار کر یہ کہتے تھے کہ یہ جو ہمیں کافر کہتے ہیں، یہ ان کی قوت ایمانی کی دلیل ہے۔ البتہ یہ تحقیق کر لینی چاہیئے کہ واقعہ میں ہم توہین رسول کرتے ہیں ہم معاذ اللہ دشمنان رسول ہیں یا دوستان رسول ہیں، اسکی تحقیق ان کو واجب تھی، بلا تحقیق حکم نہیں لگانا چاہیئے ـــــ تو میرا عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور تادب

بنیاد ہے دین کا جس کو عارف رومی نے کہا ہے کہ ؎

از خدا خواہیم توفیق ادب　　بے ادب محروم گشت از فضل رب

حق تعالیٰ شانہٗ کے ہاں اس کا کوئی مقام نہیں جو گستاخ اور بے ادب ہے۔

علمی فیض سے محرومی | بہت سے ایسے فضلاء ہماری نگاہوں میں ہیں جنہوں نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی اچھے ذی استعداد تھے مگر اساتذہ سے معاملہ بے ادبی کا تھا وہاں سے فارغ ہونے کے بعد علم کی خدمت سے محروم رہے، کوئی دکانداری کر رہا ہے، کوئی گاڑی چلا رہا ہے۔ یہ نصیب نہیں ہوا کہ محدث یا مفسر بن کر بیٹھے اور ایسے بھی ہماری نگاہوں میں ہیں کہ استعداد اور علمی قوت بہت محدود تھی لیکن تادّب اور خدمت اتنی تھی کہ رات دن اساتذہ کی خدمت میں ادب کے ساتھ لگے رہتے اب ہم دیکھ رہے ہیں کہ وہ اتنی خدمت کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے ذی استعداد فضلاء اتنی نہیں کر رہے ہے تو مقبولیت ان کے اندر پیدا ہوگئی ادب کی وجہ سے۔

مولانا محمد قاسم کے تادّب کا دوسرا واقعہ | حضرت حاجی صاحب قدس اللہ سرہٗ نے ایک رسالہ خود لکھا اور حضرت مولانا محمد قاسمؒ کو جو ان کے مرید ہیں دیا کہ اسکی نقل کر کے لاؤ۔ اس کے اندر ایک جگہ املاء کی غلطی تھی، عین کی بجائے ہمزہ لکھا ہوا تھا، تو حضرت مولانا نے از خود صحیح نہیں لکھا بلکہ وہ جگہ چھوڑ دی اور حضرت سے آکر کہا کہ یہ لفظ سمجھ میں نہیں آتا یہ کیا ہے تو اشتباہ کا راستہ اختیار کیا تلقین کا راستہ اختیار نہیں کیا کہ شیخ کو جا کر یوں کہیں کہ آپ نے غلط لکھا یہ جرأت نہ تھی کہ یوں کہیں کہ یہ غلطی ہوگئی تو گویا صورتاً بھی بے ادبی نہ کر سکے حقیقتاً بے ادبی کیا کرتے۔

ادب سے غفلت برتنے کا نتیجہ | بہرحال دین کا دارومدار تادّبات اور آداب پر ہے۔ یہ شریعت کا مستقل باب ہے۔ جہاں احکام ہیں وہاں اس کے ساتھ کچھ آداب ہیں۔ تو ادبیات پر اگر آدمی قادر نہ ہو تو وہ اصل احکام سے بھی کورا اور محروم رہ جاتا ہے۔ اس لئے آداب کی ضرورت ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز نے غالباً ایک حدیث نقل کی ہے اس کے الفاظ پوری طرح یاد نہیں، نقل کئے دیتا ہوں، تفسیر فتح العزیز میں ہے: من تهاون في الآداب حرم من السنّة ومن تهاون بالسنّة حرم من الواجبات ومن تهاون بالواجبات حرم من الفرائض ومن تهاون بالفرائض حرم من المعرفة (جس نے آداب پر عمل کرنے میں سستی دکھلائی وہ سنت سے محروم ہو گیا جس نے سنت پر عمل سے سستی کی وہ واجبات سے محروم ہو جائے گا۔ اور جس نے واجبات پر عمل سے سستی دکھلائی وہ فرائض پر عمل سے محروم ہو جائے گا۔ اور جس نے فرائض کی ادائیگی میں سستی کی وہ اللہ کی پہچان سے محروم ہو گیا۔) حق تعالیٰ ہمیں آداب اور تادّبات کی پوری پوری رعایت کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ ■■